نظم افتاء نظم قضاء

(تقابلی جائزہ)

ڈاکٹر شمس البصر☆

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے وجود میں آنے کے بعد سے مختلف ادوار میں یہاں اسلامی قوانین کے نفاذ کی کوششیں رہی ہیں تاکہ مملکت خداداد اسلامی قوانین کا گہوارہ بنے بدقسمتی سے یہ تمام کوششیں پوری طرح کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکیں اور ملک خداداد میں انگریز کے بنائے ہوئے قوانین کسی نہ کسی شکل میں برقرار رہے۔ اسلامی حوالے سے وقتاً فوقتاً خامیوں سمیت چند جزوی تبدیلیاں ضرور آئیں لیکن ان جزوی تبدیلیوں سے مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن نہ تھا۔ چونکہ قضاء کا ادارہ حکومت کی طاقت سے چلتا ہے اس لیے اس میں حکومت کی منظوری کے بغیر اہل افراد کا داخل ہونا ممکن نہ تھا اگر داخل ہوتے بھی تب بھی وہ مروجہ قوانین کے نفاذ کے پابند تھے اس وجہ سے پاکستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ قضاء کی حد تک جزوی رہا جبکہ افتاء کا ادارہ " لتبین للناس ما نزل الیھم " کے فرائض کی بجا آوری کرتا ہوا امت مسلمہ کی خدمت میں مصروف عمل رہا۔ زندگی کے جملہ امور میں رہنمائی عمومی طور پر افتاء کے ادارے سے حاصل کی جاسکتی ہے اس لیے افتاء کا ادارہ عوام کو دین سے آگاہ رکھنے کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ شریعت کے ان قوانین میں کسی حکومت کی ماتحتی ہرگز جائز نہیں جن پر ایمان کا دارومدار ہو اور زندگی کے بہت سارے امور ایسے بھی ہیں جن سے مسلمانوں کی نہ صرف پہچان ہوتی ہے بلکہ مستحکم معاشرہ کی تشکیل میں یہی امور کارفرما ہوتے ہیں۔ شریعت پر عمل درآمد نہ کرنے والوں کو ظالم، فاسق اور کافر تک کہا گیا ہے ایسی صورت میں دین کے جملہ امور میں افتاء ہی وہ ذریعہ ہے جس کی مدد سے شریعت کی حیثیت برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ قضاء کا ادارہ بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کا فریضہ انجام دیتا رہے تو ان دونوں کی تربیت سے پاکستانی معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

"الافتاء" یا "الفتوی" دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ فتویٰ فتوۃ سے مشتق ہے جس کے معنی قوت، جوانمردی اور بہادری کے ہیں۔ اسی سے "فتی" ہے یعنی وہ جوان جس کے قویٰ مضبوط ہوگئے ہوں۔ پس افتاء کے معنی جوانمردی اور اپنی قوت کو کام میں لانا ہوا۔ امام راغب کہتے ہیں:

"الفتی الطری من الشاب والانثی فتاة والمصدر فتاء هو یکنی بهما عن العبد والامة (۱)

ترجمہ: "فتی" سے مراد اٹھتی جوانی والا مرد ہے اس کی مؤنث فتاۃ اور مصدر فتاء ہے یہ غلام اور لونڈی کے لیے بھی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی بہاولپور۔

استعمال ہوتا ہے۔

لغت کے مشہور امام القتیبی کہتے ہیں۔

"لیس الفتی بمعنی شاب والحدث انما ھو بمعنی الکامل الجزل من الرجال "

ترجمہ:۔ "فتی" کے معنی جوان اور اٹھی ہوئی عمر والا ہی نہیں بلکہ "فتی" ہر اس آدمی کو کہا جاتا ہے جو پوری طرح مکمل ہو چکا ہو۔ دلیل کے طور پر وہ ثبوت میں ابن ہرثمہ کا درج ذیل شعر پیش کرتے ہیں۔

قد یدرک الشرف الفتی ورداؤہ خلق و جیب قمیصہ مرقوع

ترجمہ:۔ بے شک "فتی" وہ ہے جو بزرگی حاصل کر لے اگر چہ اس کی چادر پرانی ہو اور اس کی قمیض کی جیب کو پیوند لگی ہوئی ہو۔ اس سلسلے میں درج ذیل شعر بھی پیش کرتے ہیں۔

ان الفتی حمال کل ملمة لیس الفتی بمنعم الشبان(۲)

ترجمہ:۔ "فتی" ہر مصیبت اٹھانے والے کو کہتے ہیں فتی وہ نہیں جو جوانی کے ناز و نعمت میں پلا ہو۔

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

والفتیا تبین المشکل من الاحکام اصلہ من الفتی و ھوالشاب الحدث الذی شب و قوی فکانہ یقوی ما اشکل ببیانہ فیشب ویصیر فتیا قویا واصلہ من الفتی و ھو الحدیث السن . وافتی المفتی اذا احدث حکما وفی الحدیث : الاثم ماحک فی صدرک وان افتاک الناس عنہ وافتوک ای وان جعلوالک فیہ رخصة وجوازا (۳)

ترجمہ:۔ "فتیا" مشکل احکام کی توضیح و تفسیر ہے جو کہ "فتی" سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وہ نوجوان ہے جس میں عمر اور قوت کے اعتبار سے جوانی کا عروج ہو۔ گویا وہ اپنے بیان و خطاب سے مشکل پر قابو پاتا ہے تو اسی میں شباب پیدا ہو جاتا ہے اور قوی اور جوان ہو جاتا ہے۔ اصل اس کی فتی سے ہے یعنی نو عمری والا۔ دائرۃ المعارف میں ہے۔

"الفتی الشاب والشابة ویسمی العبدو والامة قیل وان کانا کبیرین لانھما لا یوقران توقیر الکبار"(۴)

ترجمہ: فتی سے مراد نوجوان (مرد) اور نوجوان (عورت) ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غلام اور لونڈی بھی ہے۔ اگر چہ عمر رسیدہ ہوں۔ اس لیے کہ ان کی بڑوں کی طرح توقیر نہیں کی جاتی۔"

صاحب دستور العلماء کہتے ہیں:

ان فتوی ماخوذ من فتی و معنی فتیا حادثة مبھمة والافتاء تبین ذلک المبھم والاستفتاء السؤال من الافتاء والمفتی من یبین الحوادث المبھمة "(۵)

ترجمہ:۔ فتوی "فتی" سے ماخوذ ہے اور "فتیا" کے معنی مبہم واقعہ کے ہیں اور "افتاء" اس مبہم کو واضح کرنا ہے جبکہ

استفتاء (سے مراد) فتویٰ کا پوچھنا ہے اور مفتی وہ ہے جو مبہم واقعات کو واضح کرے۔"

اسی طرح "**افتاہ فی الأمر أی بین له** "یعنی اس نے کھول کر بیان کیا اور اسی سے "الفتیا" نکلا ہے جس کا مطلب مشکل احکام کو واضح کر دینا ہے۔ (٦)

علمائے اہل لغت نے مفتی کا ترجمہ ترازو بھی کیا ہے کہا جاتا ہے کہ ھشام بن ھبیرہ کے پاس ایک ترازو تھا جس کا نام "المفتی" رکھا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مفتی اپنے بیان کے ذریعے ایک خاص توازن سے دین اور دنیا میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔" (٧)

اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

قال النبی ﷺ انا الفتی ابن الفتی اخوا الفتی (٨)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں "فتی" ہوں۔ "فتی" کا بیٹا اور "فتی" کا بھائی۔

یہاں دوسرے فتی سے مراد ابراہیم علیہ السلام اور تیسرے فتی سے حضرت علیؓ ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ کوئی ایسا حل طلب مسئلہ جس کے ساتھ زندگی کے اہم ترین مقاصد وابستہ ہوں اور اس کے بارے میں دینی امور میں دسترس رکھنے والے عالم دین یا مجتہد سے اس کا حال پوچھ لیا جائے اور وہ اس سے متعلق یقینی اور قطعی حکم صادر کرے تو اس کے حکم کو فتویٰ کہا جائے گا۔

افتاء اصطلاحی معنوں میں:

افتاء یا فتویٰ سے مراد ہر وہ بیان ہے جو لوگوں کے پوچھنے پر فقیہ یا مفتی سے جاری ہوا ہو اور جس کا صدور شرعی دلیل سے ہو۔ صاحب دستور العلماء کہتے ہیں:

الفتویٰ: "**عندارباب الحقائق ان تؤثر الحق عن نفسک بالدنیا والأخرة**" (٩)

ترجمہ: اہل علم کے نزدیک فتویٰ دنیا و آخرت کے مقابلے میں حق کو اپنے آپ پر سے ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں۔

"**والمفتی من یبین الحوادث المبھمة فی الشرع ھو المجیب فی الامور الشرعیة والنوازل الفرعیة**" (١٠)

ترجمہ: اور مفتی وہ ہے جو مبہم واقعات واضح کرتا ہے۔ وہ شریعت میں شرعی امور اور فروعی معاملات کا جواب دینے والا ہوتا ہے۔ امام قرافیؒ فرماتے ہیں:

"**الفتوی اخبار عن حکم اللہ تعالیٰ فی الزام واباحیة**" (١١)

ترجمہ: فتویٰ سے اللہ تعالیٰ کے فرض اور مباح احکام کا پہنچانا مراد ہے۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

"والفتیا و الفتوی الجواب عما یشکل من الاحکام (۱۲)

ترجمہ: فتیاء اور فتویٰ مشکل احکام کے جواب دینے کو کہتے ہیں۔

صاحب الانصاف فرماتے ہیں:

"والمفتی من یبین الحکم الشرعی ویخبر به من غیر الزام "(۱۳)

ترجمہ: مفتی وہ ہوتا ہے جو شرعی حکم کو نافذ کئے بغیر واضح کرتا ہے اور اس سے متعلق معلومات دیتا ہے۔

امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی فرماتے ہیں:

"المفتی: مناط الاحکام و هو ملاذ الخلائق فی تفاصیل الحرام والحلال (۱۴)

ترجمہ: مفتی احکام کی توضیح کرنے والا ہوتا ہے وہ لوگوں کے لیے حلال وحرام کی تفاصیل میں ملجاء وماویٰ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر نادیہ شریف العمری فرماتی ہیں:

والفتوی: هی مایخبر به المفتی جوابا لسؤال، او بیانالحکم من الأحکام (۱۵)

ترجمہ: فتوی مفتی کی جانب سے سوال کے جواب کو کہتے ہیں یا احکام میں سے حکم کے بیان کو کہتے ہیں۔

ذیل میں ہم افتاء اور استفتاء کا استشہاد القرآن کریم سے کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یستفتونک فی النساء قل الله یفتیکم فیهن (۱۶)

ترجمہ: لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں فرمادیں اللہ تمہیں ان کے معاملے میں فتوی دیتا ہے (بتاتا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"یستفتونک قل الله یفتیکم فی الکلالة" (۱۷)

ترجمہ: لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں فرمادیں دو کہ اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے۔

سورۃ الصافات میں استفتاء کا لفظ اس انداز سے آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"فاستفتهم أهم اشد خلقا ام من خلقنا (۱۸)

ترجمہ: ان سے (فتوی) پوچھو کہ ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں۔ اسی سورۃ میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

"فاستفتهم ألربک البنات ولهم البنون "(۱۹)

ترجمہ: ان سے (فتوی) پوچھو کہ کیا تمہارے رب کے لیے تو بیٹیاں ہوں اور ان کے لیے بیٹے

سورۃ کہف کی درج ذیل آیت میں "تستفت" دریافت کے معنوں میں آئی ہے۔ بعثت سے قبل کے زمانہ میں اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں لوگوں میں اختلاف تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ کو منع فرمایا کہ وہ لوگوں سے اس بارے میں مت دریافت کریں۔ ارشاد ہوا۔

ولا تستفت فیھم منھم احداً (۲۰)

ترجمہ: اور ان (اصحاب کہف) کے بارے میں ان میں سے کسی سے دریافت مت کرو۔

استفتاء کے علاوہ افتاء کے الفاظ بھی قرآن کریم میں آئے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے درمیان خط و کتابت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو خط لکھا تو اس کے جواب میں ملکہ سبا نے اپنے درباریوں/سرداروں سے مشورہ طلب کیا۔ قرآن کریم اس واقعے کو یوں بیان کرتا ہے:

قالت یایھا الملاء افتونی فی امری ماکنت قاطعة امرا حتی تشھدون (۲۱)

ترجمہ: اس نے کہا اے میرے سرداران (قوم) مجھے میرے معاملے میں فتوی (مشورہ) دیں میں کسی معاملے کا فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم سے منظوری نہ لوں (یعنی یہ ایک طے شدہ بات ہوتی ہے اس لیے میں اسے چھوڑ نہیں سکتی)

سورۃ یوسف میں ارشاد ربانی ہے کہ بادشاہ مصر نے اپنے سرداروں سے پوچھا۔

یایھا الملاء افتونی فی رءیای ان کنتم للرؤیاتعبرون (۲۲)

ترجمہ: اے سرداران قوم میرے اس خواب میں مجھے (فتوی) بتائیں اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو۔

تعبیر بھی فتوی کی طرح علم پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے افتونی کا لفظ استعمال ہوا۔ یعنی میرے خواب کو اگر کوئی جاننے والا ہے تو مجھے بتائے (فتوی دے)

اسی طرح اس سے پہلے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے تعبیر بیان کرنے کا واقعہ بیان ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے کہا گیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

قضی الامر الذی فیه تستفتیان (۲۳)

ترجمہ: فیصلہ ہو چکا جس کا تم پوچھ رہے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاہ (۲۴)

ترجمہ: جو شخص بغیر علم کے فتوی دیتا ہے تو فتوی دینے والے (مفتی) پر اس کا گناہ ہوگا۔

مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے۔

والاثم ماحاک فی قلبک و تردد فی الصدروان افتاك الناس وافتواک (۲۵)

ترجمہ: گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور سینے میں تردد پیدا کرے اگر چہ لوگ تمہارے لئے رخصت پیدا کریں یا تمہیں اجازت دیں۔

عبید اللہ بن عبد اللہؓ نے اپنے باپ سے خبر دی ہے کہ:

انه کتب الی ابن الارقم ان یسال سبیعة الا سلیمة کیف افتاها النبی ﷺ افتانی اذا وضعت ان انکح (۲۶)

ترجمہ: اس نے ابن ارقم کو خط لکھا کہ وہ سبیعہ الاسلمیہ سے پوچھے کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا فتوی دیا تو اس نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فتوی دیا کہ جیسے ہی وضع حمل ہو وہ نکاح کر سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

کان رسول الله ﷺ سحر حتی کان یری أنه یأتی النساء ولایأتیهن، قال سفیان: وهذا اشدّ مایکون من السحر اذاکان کذا، فقال یا عائشة أعلمت أن الله قدأفتانی فیما استفتیته فیه- " (۲۷)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ وہ عورتوں کے پاس اپنے آپ کو آتا ہوا دیکھتے لیکن وہ آتے نہیں تھے تو سفیان نے کہا کہ یہ جادو کی شدید ترین حالت ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ کیا تجھے معلوم ہے کہ میں جو کچھ پوچھتا ہوں اللہ مجھے بتا دیتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الله لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤ سا جهالا فسئلو افافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (۲۸).

ترجمہ: اللہ اپنے بندوں سے (آخری زمانہ میں) علم کو زبردستی چھین کر واپس نہیں لے گا لیکن علماء کی وفات کی صورت میں، حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے ان سے مسائل پوچھیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے تو خود بھی گمراہ ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

یہاں رؤسا سے مراد خلیفہ قاضی، مفتی، امام مراد ہیں۔ صاحب مرقات، رؤسا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رؤسا ای خلیفة، و قاضیا و مفتیا واماما و شیخا (۲۹)

ترجمہ: رؤسا سے خلیفہ، قاضی، مفتی، امام اور شیخ مراد ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ لوگ نا اہل لوگوں کو ان تمام اہم عہدوں کے لیے اپنا پیشوا مان لیں گے:

فکل امام قاض و مفت ، و القاضی والمفتی لا یصدق علیھما و صف الامامة الکبری (۳۰)

ترجمہ: پس ہر امام قاضی بھی ہوا اور مفتی بھی لیکن قاضی اور مفتی پر امامت کبریٰ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر محمد فاروق الحکام فرماتے ہیں:

أن أول مفت فی الاسلام ھو الرسول علیه الصلاة والسلام ، فالی جانب تبلیغه علیه الصلاة والسلام الاحکام التکلیفیة الی الناس ، تولی بنفسه منصب القضاء والفتیا لانه علیه الصلاة والسلام المرجع الوحید فی عصر النبوة الذی کان یتلقی منه الناس الاحکام الشرعیة فیما یحدث من المسائل والا قضیة "(۳۱)

ترجمہ: اسلام کے پہلے مفتی رسول اللہ ﷺ تھے لوگوں کو احکام کی ذمہ داری سے آگاہی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے خود قضاء اور افتاء کے فرائض انجام دیئے اس لیے کہ رسول ﷺ عہد نبوت میں وہ واحد ذریعہ تھے جن سے لوگوں کو شرعی مسائل مل سکتے تھے جو مسائل اور فیصلوں پر مشتمل تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کے بارے میں مزید فرماتے ہیں۔

وأن اکثر القضاء فی عھده علیه الصلوة والسلام کان نوعاً من الا فتاء ولم تکن اکثر الخصومات نزا عاً حقیقةً ولکنھا صورة من صدر السؤال والا ستفتاء (۳۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اکثر فیصلوں کی نوعیت افتاء کی تھی اور حقیقی طور پر اکثر مسئلے نزاعی نہیں تھے بلکہ وہ سوال اور استفتاء کی شکل کے تھے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے مقدمہ میں مرقوم ہے۔

اس منصب عظیم پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم ﷺ فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے عصمت کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا کہ دین کے سلسلہ میں آپ ﷺ جو حکم فرمائیں وہ انسانی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ ہو چنانچہ صحابہ کرامؓ اور دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے اور آپؐ ان تمام کو جوابات سے شادکام فرماتے۔ ان جوابات و سوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے۔۔۔ کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے سوالات آنحضرت ﷺ سے ہوئے جن کا جواب آپ کو معلوم نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے توقف فرمایا۔ جیسا کہ ابو امامہ صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا **أی البقاع خیر** " کونسا

خطہ ارض بہتر ہے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش ہو گئے اور فرمایا یہ خاموشی اس وقت تک ہے جب تک روح الامین تشریف نہ لے آئیں۔ اتنے میں فوراً جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا اور دریافت کیا اس کا جواب کیا دیا جائے۔ حضرت جبریلؑ نے آپؐ کے سوال کے جواب میں عرض کیا **"ما المسؤل عنها باعلم من السائل ولكن أسأل ربي تبارك و تعالى"** جس سے پوچھا جارہا ہے وہ اس مسئلے میں پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن میں پروردگار عالم بزرگ و برتر سے پوچھتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت جبرئیلؑ روانہ ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لے آئے اور کہنے لگے۔۔۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

"شر البقاع اسواقها و خير البقاع مساجد ها" (۳۳)

ترجمہ: زمین کا بدترین حصہ اس کے بازار ہیں اور بہترین حصہ اس کی مسجدیں ہیں

رسول اکرم ﷺ کی بحیثیت رسول یہ ڈیوٹی تھی۔ کہ وہ لوگوں کو دینی تعلیمات پہنچائیں اور ان کے سوالات کا جواب دیں اس طرح ان کے شکوک وشبہات کو ختم کیا جائے۔ جوابات کے لیے رسول اللہ ﷺ یا تو وحی الٰہی پر اعتماد کرتے یا پھر اجتہاد فرماتے۔ انکے اس قسم کے اجتہادات کا زیادہ تر حصہ افتاء پر مشتمل تھا۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں عربی زبان میں مفتی کے معنی ترازو کے بھی ہیں اس کی تائید حضرت حضر بن یزید الرقاشی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ:

"ان کی قوم کی ایک عورت نے حج کیا وہ ام مسلمہؓ کے پاس گئی اور ان سے کہا کہ اسے وہ برتن دکھایا جائے جس سے نبی ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہ نے انہیں ایک برتن دکھایا اور فرمایا **"هذا مكوك المفتى** "یہ برتن ہے جو ترازو کے پلڑے کی طرح ہے" (۳۴)

پس فتویٰ اس توفیق خداوندی کا نام ہے جو کسی شرعی مسئلہ میں علماء کی آراء اور توضیح کی صورت میں آتا ہے۔

"الفتوى هي الاخبار بالحكم الشرعي" (۳۵)

ترجمہ: فتویٰ سے مراد شرعی حکم کا بیان ہے۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

انها توقيع عن الله تبارك و تعالىٰ (۳۶)

ترجمہ: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے بیان کہلاتا ہے۔

فتویٰ میں من جانب اللہ کی قید لگائی گئی ہے وہ اس لیے کہ راہ حق کی توفیق اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی عالم، فقیہہ، مفتی یا قاضی کسی مسئلے کا حل بتاتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے ودیعت کردہ فہم کے مطابق جواب دیتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ **"ان العلماء ورثة الانبياء" (۳۷)**

ترجمہ: بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی بہترین انداز میں وضاحت مشہور بزرگ سھل بن عبداللہ التستری کے اس قول سے ہوتی ہے

من ارادان ینظر الی مجالس الانبیاء علیهم السلام فلینظر الی مجالس العلماء "(۳۸)

ترجمہ: جوکوئی انبیائے کرام علیہم السلام کی مجالس کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ علماء کی مجالس کو دیکھے۔

علمائے کرام کو اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے امت کے دیگر افراد پر فوقیت حاصل ہے۔ اور وہی انبیائے کرام علیہم السلام کے اصل وارث اور جانشین کہلانے کے مستحق بھی ٹھہرتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ انبیاء علیہم السلام وراثت میں درھم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہے اور اس کے وارث علماء ہیں اور یہی ان کی پہچان ہے

علامہ ابن قیم الجوزی فرماتے ہیں۔

"فهم فی الارض بمنزلة النجوم فی السماء بهم یهتدی الحیران فی الظلماء و حاجة الناس الیهم اعظم من حاجتهم الی الطعام و الشراب ، وطاعتهم افرض علیهم من طاعة الامهات والاباء بنص الکتاب قال الله تعالیٰ یا ایها الذین آمنو اطیعوالله والرسول واولی الامر منکم ... اولوا الامر هم العلماء . (۳۹)

ترجمہ: پس ان (علماء) کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے آسمان میں ستاروں کی ہے انہیں کی وجہ سے اندھیروں میں بھٹکا ہوا انسان ہدایت پاتا ہے اور لوگ کھانے پینے سے زیادہ ان کے محتاج ہوتے ہیں قرآن کریم کے حوالے سے ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے زیادہ لازم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی ۔۔۔ یہاں اولی الامر سے مراد علماء ہی ہیں"۔

حلال اور حرام، جائز اور ناجائز تمام صورتیں عام لوگوں پر اس وقت تک واضح نہیں ہوتیں جب تک اہل علم ان کی توضیح اور تشریح نہ کریں۔ فتوی، طاعات کی پہچان کے لیے ایک ناگزیر صورت ہے۔ لوگ کیلئے معروف کو منکر سے علیحدہ کرنا اسی سے آسان ہوجاتا ہے۔ یہی فریضہ انبیاء کا تھا اور علماء انبیاء کے وراث ہونے کے ناطے اس اہم ذمہ داری کو پورا کرتے ہیں۔

افتاء اور قضاء میں فرق:

فتوی شریعت کے اس عام حکم کو کہتے ہیں۔ جس کا تعلق پوچھنے والوں یا عام لوگوں سے ہوتا ہے۔ جبکہ قضاء اس جزوی حکم کو کہتے ہیں جس کا اطلاق غیر محکوم علیہ پر نہیں ہوتا۔ شریعت میں کسی چیز کی حیثیت سے متعلق عام حکم کا فتوی دینے والے کو مفتی کہا جاتا ہے اور کسی معین چیز سے متعلق معین فیصلہ کرنے والے کو قاضی کہا جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ

قضاء سے مراد وہ خاص حکم ہے جو کہ محکوم علیہ پر لازم آتا ہے۔ جبکہ افتاء یا فتوی شریعت میں کسی عالم یا مفتی کے اس عام حکم کو کہتے ہیں جو کہ لازم نہیں آتا۔ اسی طرح فتوی کا تعلق دین کے باطنی امور سے جبکہ قضاء کا تعلق ظاہری امور سے ہوتا ہے۔

صاحب الدر المختار فرماتے ہیں:

"المفتی یفتی بالدیانة و القاضی یقضی بالظاهر -(۴۰)

ترجمہ: مفتی دینی امور میں فتوی دیتا ہے اور قاضی ظاہر امور پر فیصلہ دیتا ہے۔

صاحب اعلام الموقعین فرماتے ہیں:

والفرق بین الفتوی والقضاء ایضا ان اللفتوی شریعة عامة تتعلق بالمستفتی وغیره من الناس واما القضاء فهو جزئی لا یتعدی الی غیر المحکوم علیه وله فالمفتی یفتی حکما عاما کلیا ان فعل کذا ترتب علیه کذا ومن قال کذالزمه کذا والقاضی یقضی قضاء معینا علی شخص معین فقضاوه خاص ملزم و فتوی العالم عامة غیر ملزمة . (۴۱)

ترجمہ: افتاء اور قضاء میں فرق اس طرح ہے کہ فتوی سے مراد عام شرعی حکم ہے جو کہ مستفتی (پوچھنے والے) اور عام لوگوں سے متعلق ہوتا ہے جبکہ قضاء جزوی حکم ہے جو کہ غیر محکوم علیہ اور نہ ہی غیر محکوم لہ پر لازم ہے۔ پس مفتی مجموعی طور پر عام حکم کا فتوی دیتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو اس پر اس طرح کا اطلاق ہوگا اور جس نے اس طرح کہا تو اس پر یہ چیزیں اس طرح لازم آئیں گی جبکہ قاضی معین فرد کے لیے معین فیصلہ دیتا ہے تو اس کا فیصلہ مخصوص اور لازم ہوا اور کسی عالم کا فتوی عام اور غیر لازم ہوتا ہے۔

قضاء اور افتاء کا ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں قاضی اور مفتی اپنی اپنی جگہ پر عرق ریزی سے کام لیتے ہیں اور اس کے لیے خاص ادراک استعمال کرتے ہیں لیکن یہ دونوں معاملات کے مختلف پہلوؤں کو جن جن زاویوں سے دیکھتے ہیں وہ یہ کہ مفتی کسی خاص مسئلہ میں فتوی دینے سے قبل اس کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت کے حوالے سے دیکھتا ہے اور شریعت میں اس کا ثبوت ملنے پر اس پر شرعی حکم کا فتوی دیتا ہے کہ جبکہ قاضی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ فیصلہ دیتے وقت نہ صرف قرآن وسنت کو سامنے رکھتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مدعی اور مدعی علیہ کے ثبوت واقرار اور دلائل و براہین کو سامنے رکھتے ہوئے حالات کی روشنی میں فیصلہ دیتا ہے۔

موسوعة جمال عبد الناصر میں مرقوم ہے۔

المفتی والحاکم کلاهما مطیع الله تعالیٰ قابل لحکمه غیر أن المفتی مخبر محض والحاکم منفذ و ممض " (۴۲)

ترجمہ: مفتی اور حاکم (قاضی) دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطیع لیکن مفتی محض خبر دینے والا اور حکم (قاضی) نفاذ اور اجراء کرنے والا ہوتا ہے۔

صاحب المجموع فرماتے ہیں:

"المفتی فی حکم مخبر من الشرع بما لا اختصاص له بشخص فکان کالراوی لا کالشاھد و فتواہ لا یرتبط بھا الزام بخلاف حکم القاضی (۴۳)

ترجمہ:۔ مفتی حکم کے سلسلے میں شرعی معلومات فراہم کرتا ہے جس کا کسی خاص فرد کے ساتھ کوئی اختصاص نہیں تو اس کی حیثیت روایتی کی ہوتی ہے نہ کہ شاہد کی جبکہ اس کے فتوی کا لزوم نہیں ہوتا جیسے کہ قاضی کے حکم کا ہوتا ہے۔

امام قرافی فرماتے ہیں:

وأن القضاء یعتمد الحجاج والفتیا تعتمد الادلة (۴۴)

ترجمہ: قضاء کی بنیاد ثبوت پر ہوتی ہے جبکہ افتاء کی بنیاد پر دلائل پر ہوتی ہے۔

قضاء دراصل معاملات کا وہ فیصلہ ہوتا ہے جو محکوم علیہ پر لازم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ناصر بن عقیل اس شرعی حکم کے لزوم سے متعلق لکھتے ہیں۔

"تنفیذ الحکم علی المقضی علیه شاء ام ابی فلو لم یکن الزام لکان فتوی و لیس قضاء لان الفتوی ھی الاخبار بالحکم الشرعی" ۔ (۴۵)

ترجمہ: شرعی حکم (قضاء) کے لزوم سے محکوم علیہ پر اس کا نفاذ مراد ہے چاہے وہ مانے یا نہ مانے اور اگر (کسی شرعی حکم میں) لزوم نہ ہو تو وہ فتوی کہلاتا ہے نہ کہ قضاء اس لیے کہ فتوی حکم شرعی کے بیان کو کہتے ہیں۔

لہذا فتوی سے شریعت کا وہ عام حکم مراد ہے جو جس کے متعلق ہوگا وہ اسے بغیر حاکم کے حکم کے اختیار کرے جبکہ قضاء خصومات (لڑائی جھگڑوں) میں خاص فرد یا افراد پر منطبق ہوتا ہے۔ عام لوگوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

علامہ ابن القیم الجوزی فرماتے ہیں:۔

الفتوی شریعة عامة للمستفتی وغیرہ من الناس فکل ما انطبقت ھذہ الفتوی علیه اخذ بھا دون الحاکم الحکم اما القضا فھو الحکم فی خصومة لا یتعدی الی غیر ھا من مثیلا تھا. (۴۶)

ترجمہ: مستفتی (پوچھنے والے) اور عام لوگوں کے لیے فتوی شریعت کا عام حکم ہے جس پر اس کا اطلاق ہو تو وہ اسے حاکم کے حکم کے بغیر اختیار کرے گا۔ جبکہ قضاء خصومات (لڑائی جھگڑوں) میں وہ (خاص) حکم ہوتا ہے جو کہ اس

خاص معاملے کے علاوہ کسی اور یا اس کے مثل پر نافذ نہیں ہوتا۔"

عورت اور منصب قضاء

قضاء کے سلسلے میں بعض فقہاء کچھ حدود کے ساتھ باقی امور میں عورت کی قضاء کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن جمہور فقہاء منصب قضاء مرد کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عورت منصب قضاء کی اہل نہیں ہے۔ جہاں تک افتاء کا تعلق ہے تو فقہاء میں اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے عورت فقیہ ہوسکتی ہے اور اسی طرح مفتی بھی۔

قضاء اور افتاء دو مختلف شعبے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کا آپس میں تعلق بہت گہرا ہے لیکن حکم کی نوعیت کے اعتبار سے دونوں میں واضح فرق ہے۔ عہد رسالت ہی سے ہمیں ان دونوں شعبوں کے الگ الگ وجود کا پتہ چلتا ہے: چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

وقال ابن ابراھم الوزیر الیمنی فی الزھر الباسم فی الذب عن سنة ابی لقاسم النبی ﷺ ولی ابا موسی الاشعری علی الیمن مصدقا ای جامعا للصدقات وقاضیا وکان یقضی و یفتی فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ فی زمنه و فی ایام الخلفاء الراشدین منه (۴۷)

ترجمہ: **ابن ابراھیم الوزیر الیمنی "الزھر الباسم فی الذب عن سنة ابی القاسم"** میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابوموسی اشعری کو یمن میں زکواۃ کی وصولی کے لیے اور بطور قاضی مامور فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے عہد کے کچھ حصہ میں قضاء اور افتاء کا کام کرتے تھے۔

اس حدیث سے قضاء اور افتاء کے دو الگ الگ اداروں کے وجود کا واضح ثبوت ملتا ہے اس کے علاوہ ایک اور اہم پہلو بھی واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ دونوں ادارے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

حضرت ابن سعید حضرت قبیصہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

"کان زید رئیسا بالمدینة فی القضاء والفتوی والقراۃ والفرائض (۴۸)

ترجمہ: حضرت زید مدینہ میں قضاء، افتاء، قرات اور فرائض کے امام تھے۔

جبکہ بعد کے ادوار میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افتاء اور قضاء کو الگ الگ اداروں کی حیثیت سے چلایا گیا۔ اور یہ پسند کیا گیا کہ دونوں ادارے ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ چنانچہ ابوبکر بن المنذر سے مروی ہے۔

یکرہ للقضاء ان تفتی فی مسائل الاحکام دون مالا مجری الاحکام القضاۃ فیه کمسائل الطھارۃ والعبادات (۴۹)

ترجمہ: قاضیوں کے لیے مسائل الاحکام مثلاً طہارت اور عبادات وغیرہ میں اور ان مسائل میں جن میں قاضی کا حکم نہ چلتا ہو فتویٰ دینا ناپسندیدہ تھا۔

اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر چہ ان دونوں شعبوں میں کام کی نوعیت کے اعتبار سے اتنا زیادہ فرق نہیں پھر بھی دونوں کی الگ الگ حیثیت میں فرق کرنے کے لیے قاضیوں کو محدود رکھا گیا۔

حاصل کلام یہ کہ رسول ﷺ کا کام دین کے احکام پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کا نفاذ بھی تھا۔ ان کے زیادہ تر احکامات کی نوعیت افتاء کی تھی۔ جہاں جہاں ضرورت پڑی۔ حاکم اور قاضی کی حیثیت سے ان احکام کا لزوم بھی ہوا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ بیک وقت کئی حیثیتوں کے مالک تھے۔ اس وجہ سے بعض اوقات ان دونوں شعبوں میں کافی حد تک مماثلت کی وجہ سے فرق کرنا مشکل دکھائی دیتا ہے لیکن تعلیمات رسول اللہ ﷺ سے بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف خود ان دونوں شعبوں کی حیثیتوں کو وقتاً فوقتاً الگ الگ جا کر فرمایا۔ بلکہ صحابہ کرام نے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اس فرق کو ملحوظ رکھا۔ خیر القرون میں ہونے کی وجہ سے ان دونوں شعبوں کے صادر شدہ احکامات کی نوعیت ہمارے لیے ایک جیسی ہے۔

مملکت اسلامیہ پاکستان حقیقی معنوں میں اس وقت اسلامی مملکت ہوگی جب قضاء کے محکموں کو اسلامی احکامات کے مطابق بنایا جائے گا اور اس مقصد کے حصول کے لیے کوشش جاری رہنی چاہیئے۔

خلاصہ بحث:۔

ذیل میں ہم اس فرق کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

۱) قضاء کا حکم لازم ہوتا ہے جبکہ افتاء کا حکم لازم نہیں ہوتا۔

۲) قضاء میں مدعی یا مدعی علیہ کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ حکومت وقت یا قاضی اس کا نفاذ کرتا ہے۔ جبکہ افتاء میں انہیں اختیار حاصل ہوتا ہے۔ مفتی کو اس کے نفاذ کا اختیار نہیں۔

۳) قاضی کا تقرر حکومت وقت کرتی ہے اور اہل نہ ہونے کے باوجود بھی اس کے فیصلوں کا نفاذ ہوتا ہے جبکہ مفتی کا تقرر ضروری نہیں اہلیت کو دیکھ کر بغیر تقرر کے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۴) قضاء کا تعلق مخصوص امور کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ افتاء کا تعلق عام ہے اور تمام دینی امور اس کے زمرے میں آتے ہیں۔

۵) قضاء میں خصوصیات اور تنازعات کو ظاہری حوالوں سے نمٹایا جاتا ہے جبکہ افتاء میں عملدرآمد کے لیے دینی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ خواہ ظاہری نوعیت اس کی مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

۶) قاضی سزائیں بھی دے سکتا ہے جبکہ افتاء میں سزا کی کوئی صورت نہیں۔

۷) قضاء میں جنس کا اعتبار ہوتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں اہلیت میں برابر نہیں۔ بعض معاملات میں عورت قضاء کے فرائض انجام نہیں دے سکتی۔ جبکہ افتاء میں مرد اور عورت دونوں جنس کا اعتبار کئے بغیر برابر ہیں۔ جہاں جہاں مرد فتوی دے سکتا ہے وہاں عورت بھی فتوی دے سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱) الاصفهانی ، راغب ، معجم مفردات الفاظ القرآن ، ص 386،مطبعة التقدم العربی 1972/1392

۲) ابن منظور ، لسان العرب ، 15:145-148 دار صادر بیروت

۳) ابن منظور ، لسان العرب ، 15:148

۴) دائرة المعارف 23:174 ، پنجاب یونیورسٹی، لاهور .

۵) الاحمدنگری ، عبدالنبی بن عبدالرسول ، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء 3:14-15 مؤسة الاعلمی للمطبوعات ، بیروت ،1395:1975

۶) ابن منظور ، لسان العرب ، 15:148

۷) ابن منظور ، لسان العرب ، 15:148

۸) دائرة المعارف . 23:174

۹) الاحمد نگری ، عبدالنبی ، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء 3:14-15

۱۰) الاحمد نگری، عبدالنبی ، جامع العلوم الملقب بدستور العلماء 3:14-15

۱۱) القرافی ، ابوالعباس ، شهاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمن الفروق، 4:53،عالم الکتب بیروت .

۱۲) الاصفهانی معجم مفردات الفاظ القرآن ، ص 386

۱۳) المرادوی علاء الدین علی بن سلیمان الانصاف ، 11:186 الطبعة الاولی، دار إحیاء التراث العربی بیروت، 1377/1958

۱۴) الجوینی ، امام الحرمین ، عبدالملک بن عبدالله، ابو المعالی ،البرهان في اصول الفقهة 2:130 ،دارالانصار، الطبعة الثانیة قاهرة 1400/1980

۱۵) العمری ، نادیة شنیف، الدکتورة ، الاجتهاد فی الاسلام ، ص 44 مؤسة الرسالة الطبعة الاولی ، بیروت ، 1401/1981

۱۶) قرآن :137:4

۱۷) قرآن 176:4

۱۸) قرآن :11:37

۱۹) قرآن :149:37

۲۰) قرآن :18:22

۲۱) قرآن 32:27

۲۲) قرآن :43:12

۲۳) قرآن 32:27

۲۴) ابوداؤد ، سنن ، (کتاب العلم) 515:2

۲۵) ابن صلاح ،فتاوی و مسائل ابن صلاح ، 5:1دارالمعرفة ، بیروت ، الدارمی ، سنن، (کتاب البیوع) 161:2

۲۶) بخاری صحیح ، (کتاب الطلاق) باب 73:7,39 مطبوعات محمد علی صبیح مصر :تاریخ ندارد

۲۷) بخاری ، صحیح ، (کتاب الطب) 177:7

۲۸) الترمذی ، ابی عیسی ، سنن ، (کتاب العلم) 33:1 ،دار عمران ، بیروت : تاریخ ندارد

۲۹) قاری ، ملا علی ، مرقات ، 273:1

۳۰) القرافی ، شهاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمن ، الاحکام فی تمیز فتاوی عن الاحکام ، ص ۳۲

۳۱) الحکام ، محمد فاروق ، الدکتور ، تاریخ التشریح الاسلام ، ص، 23-222 ،الطبعة الجدیدة دمشق 5-1984-85/1404

۳۲) الحکام ، محمد فاروق ، تاریخ التشریح الاسلامی ، ص= 23-222

۳۳) فتاوی دارالعلوم دیوبند ، مقدمه 1: 82-81

۳۴) ابن منظور ، لسان العرب= 147-148:15

۳۵) الطریفی ، ناصر بن عقیل ، الدکتور= القضاء فی عهد عمر بن الخطاب ، 39:1

٣٦) ابن صلاح ، فتاوی و مسائل ابن صلاح ، 7:1

٣٧) بخاری ، محمد بن اسماعیل ، الصحیح ، (کتاب العلم)

٣٨) ابن صلاح ،فتاوی و مسائل ابن صلاح ، 7:1

٣٩) ابن القیم ، الجوزیة ، ابی عبدالله محمد بن ابی بکر ، اعلام الموقعین عن رب العالمین 1:10_9 ، مطبعة السعادة مصر: 1998/1419

٤٠) علاء الدین ، محمد ، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار مع شرح رد المخت 37:8 داراحیاء التراث العربی الطبعة الأولی ، بیروت ، 1998/1419

٤١) ابن القیم ، الجوزیة إعلام الموقعین ،38:1

٤٢) المجلس الاعلی الشئون الاسلامیة، موسوعة جمال عبدالناصر فی الفقهة الاسلامی ، قاهرة 1971/1391

٤٣) النووی ، محی الدین بن شرف ، المجموع شرح المهذب ، 1:42-41 مکتبه العاصمة قاهرة .

٤٤) القرافی ، الاحکام فی تمیز فتاوی عن الاحکام ، ص ، ٤١

٤٥) وزارة الاوقاف جمهوریة مصر ، الفتاوی الاسلامیة من دارالافتا المصریة، 21:1القاهرة 1980/1400

٤٦) ابن القیم ، الجوزی ، اعلام الموقعین ، 39:1

٤٧) الکتانی عبدالکبیر ، التراتیب الاداریة ، 259:1 ، المطبعة الوطنیة بالرباط : تار ندارد

٤٨) الکتانی ، التراتیب الاداریة 277:1

٤٩) ابن صلاح ،فتاوی و مسائل ابن صلاح 45:1